ڈاکٹر شہزاد سلیم

قرآن کا تعارف

[یہ تحریر استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی آرا پر مشتمل ہے جو ان کی کتابوں[1] اور تقاریر میں بیان ہوئی ہیں۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

پس منظر

قرآن ایک منفرد کتاب ہے۔ یہ خداے رب العزت کا انسانیت کے لیے آخری صحیفۂ ہدایت ہے۔ اس سے پہلے وقتاً فوقتاً اس نے بہت سے پیغمبروں کو ہدایت سے سرفراز کیا۔ عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید کے بعد یہ خدا کا آخری عہد نامہ ہے جو اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ یہ اُسی دین کو پیش کرتا ہے جو اِس سے پہلے سابقہ انبیا اور رسولوں نے پیش کیا۔ تاہم پچھلے آسمانی صحیفوں کے برخلاف یہ اپنی اصل زبان اور صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔

اس کی صنف ان کتابوں سے یکسر مختلف ہے جن سے ہم واقف اور مانوس ہیں۔ چنانچہ اس کے پڑھنے والے ہر سنجیدہ طالب علم کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کی صنف کا فہم رکھتا ہو۔ نیز اگر اس فہم کے ساتھ اس کتاب کے موضوع اور اس کی ترتیب سے بھی واقفیت پیدا کر لی جائے تو قاری اس کتاب کے فہم سے کما حقہٗ بہرہ یاب ہو سکتا ہے۔ وہ اس کتاب کو پڑھ کر حظ محسوس کرے گا اور اس کے ذہن کے دریچے وا ہوں گے۔ وہ

۱۔ بالخصوص ''میزان'' اور ''البیان''۔ دیکھیے: جاوید احمد غامدی، میزان، طبع یازدھم، لاہور، ٹوپیکل پرنٹنگ پریس ۲۰۱۸ء۔ جاوید احمد غامدی، البیان، طبع اول، ۵ مجلدات، لاہور، ٹوپیکل پرنٹنگ پریس ۲۰۱۸ء۔

خدا کی سنن اور افعال کا شاہد بن جائے گا اور رب کائنات سے اپنے آپ کو ہم کلام محسوس کرے گا۔ وہ خدا کو اگرچہ دیکھ نہیں سکتا، مگر اس کو محسوس کر پائے گا، کیونکہ وہ الٰہی اسالیب کلام اور آداب گفتگو سے اپنے آپ کو قریب محسوس کرے گا۔ اس کے بحر وجود کی موجیں متلاطم ہوں گی اور اس کے دل و دماغ پکار اٹھیں گے: ایں کتاب از آسمانے دیگر است۔

قرآن کی صنف

قرآن ایک بے مثل ادبی شہ پارہ ہے جس کی نظیر انسانی کلام میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ بلاشبہ، اس کتاب کی صنف کو اسالیب اور تحریر کے موجودہ پیمانوں پر قیاس کرنا ایک مشکل امر ہے۔ تاہم اس کی سب سے قریبی مشابہت خطبا کے کلام سے قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب مکالمات پر مشتمل ہے جو زندہ کرداروں کے مابین ہوا جو ساتویں صدی میں عرب کے اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ یہ کردار ایک مخصوص پس منظر میں آپس میں ہم کلام ہوتے نظر آتے ہیں۔ جیسے کسی تمثیل یا ڈرامے میں احوال اور پیش منظر تبدیل ہوتے رہتے ہیں، بالکل ویسے ہی اس کتاب میں یہ پہلو ہمیں جابجا نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات خود ان مکالمات کی مصنف ہے۔

لفظ 'قال' اور اس سے ماخوذ الفاظ کا قرآن میں جابجا استعمال اس مکالماتی انداز کا پتا دیتے ہیں۔ یہی معاملہ خطاب کے مختلف صیغوں اور اسالیب کا ہے۔ بہت سے مواقع پر متکلم اور مخاطب کا تعین موقع کلام اور سیاق و سباق سے کیا جاتا ہے، کیونکہ ان مواقع پر 'قال' یا اس کی طرح کے الفاظ کلام میں مذکور نہیں ہوتے۔

محض تفہیم مدعا کے لیے انسانی کلام میں اس کی بہت ہی ادنیٰ مماثلت ''مکالمات افلاطون''، دانتے کی ''Divine Comedy''، اور علامہ اقبال کا ''جاوید نامہ'' قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ان کتابوں میں مکالماتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

یہ بات یہاں واضح رہے کہ قرآن میں مکالمات اللہ تعالیٰ اور دیگر کرداروں کے مابین ہوئے ہیں اور ان کرداروں میں آپس میں بھی۔ ان کرداروں کو اس طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے:

جبریل،

انبیا،

شیطان،

اہل ایمان،

منافقین،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مشرکین،

اور اہل کتاب۔

ساتویں صدی میں عرب کے ان کرداروں کی آپس میں ایک باقاعدہ گفتگو کو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی زبان میں جگہ جگہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ان میں سے ایک سے صادر ہوتی ہے اور ان میں سے ایک یا ایک سے زائد کی طرف اس کا روے سخن ہوتا ہے۔ یہ کردار آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں اور گفتگو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اگر گفتگو کی اس منتقلی کو گہرائی سے سمجھا جائے تو کلام کی بظاہر بے ربطی بہت بامعانی نظر آنے لگتی ہے، اس لیے کہ اپنی اصل میں یہ ایک مکالمہ ہے جس میں متکلم اور مخاطب میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔

بعض دفعہ کلام کے مخاطبین ایک سے زائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ مواقع پر مقصود کسی متعین مخاطب کو سامنے رکھ کر ایک باقاعدہ تقریر کیا جانا پیش نظر ہوتا ہے۔ کسی موقع پر تقریر عمومی نوعیت کی ہوتی ہے اور کسی مخصوص گروہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح خطاب کبھی بالواسطہ ہوتا ہے اور کبھی بظاہر کسی ایک گروہ کی طرف، مگر روے سخن کسی اور کی طرف ہوتا ہے۔ کبھی زبان حال کی رعایت رکھی جاتی ہے اور کبھی زبان قال کی۔ اعلیٰ ادب کے اداشناس لوگ ذرا تامل سے ان لطافتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خطاب کی تبدیلی متکلم کی کیفیت کا بھی پتا دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بات غصے سے کہی گئی ہے یا بے زاری سے۔ اس میں محبت کی حلاوت ہے یا التفات کی چاشنی۔ بعض دفعہ خطاب منطقی انجام تک پہنچے بغیر ہی اچانک ختم کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کلام کے ان حصوں کو حذف کر دیا جاتا ہے جن کا قرینہ واضح ہو۔ بعض اوقات متکلم کلام کے تدریجی ارتقا سے واضح ہوتا ہے۔

غرض ان مکالمات کی جاذبیت قلب و نظر کی آبیاری کرتی ہے۔ قاری آیات الٰہی کے مسکت استدلال سے اپنے آپ کو سحر زدہ محسوس کرتا ہے۔ اس محکم استدلال کے اثرات اس کی زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ترک و قبول کے اس سفر کے غیر معمولی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بعض مواقع پر تو یہ استدلال صریح ہوتا ہے اور بعض پر قسمیہ اسلوب اسے بہت لطیف بنا دیتا ہے۔ اگر پڑھنے والا ادب کی مختلف صنعتوں سے واقف ہو تو کلام کی حقیقی معنویت تک وہ بڑی آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔ بالخصوص اگر الف لام کے مختلف معانی اور استعمالات کا وہ علم رکھتا ہے تو کلام کی تخصیصات اور مقتضیات کا اسے عمدہ فہم حاصل ہو جاتا ہے۔

غرض یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ کتاب اللہ کی حقیقی تفہیم کے لیے اس کے مکالماتی اسلوب

سے واقفیت ایک ناگزیر امر ہے۔

قرآن کے اس مخصوص اسلوب کے کچھ نتائج ہیں جو قاری کے پیش نظر رہنے چاہییں:

۱۔ ہر سورہ کا بنیادی مخاطب متعین کرنا ضروری ہے۔ اثناے سورہ میں اکثر اوقات ثانوی مخاطب بھی زیر بحث آجاتے ہیں جن کا تعین بھی اسی طرح لازم ہے۔ یہی تبدیلی متکلم میں بھی رونما ہوسکتی ہے۔

۲۔ متکلم اور مخاطب کے درمیان تبدیلی کو دقت نظر سے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بعض دفعہ یہ تبدیلی بڑی لطیف ہوتی ہے اور بعض جگہ بہت نمایاں۔ اسی تبدیلی کی وجہ سے کلام میں جو بظاہر بے ربطگی یا چھلانگ محسوس ہوتی ہے، اس کی معنویت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

۳۔ وہ کردار جو ساتویں صدی میں عرب میں موجود نہیں تھے، وہ قرآن میں زیر بحث ہو ہی نہیں سکتے، کیونکہ اس کتاب میں وہی کردار زیر بحث ہیں جن کے درمیان دور رسالت میں مکالمہ ہوا یا کسی پہلو سے ان کا حوالہ دیا گیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے، مثال کے طور پر، ہندومت اور بدھ مت کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں ملتا۔

۴۔ چونکہ قرآن کے براہ راست مخاطب اپنا مخصوص پس منظر رکھتے ہیں، اس لیے اس کتاب میں بہت سے وہ معاملات و مسائل زیر بحث آتے نظر آتے ہیں جن کا تعلق انھی کے عقائد، مالوفات اور روایات سے ہے۔ اس ضمن میں یہ بات دل چسپی کا باعث ہوگی کہ قرآن میں عرب کے یہود کے بعض عقائد بیان ہوئے ہیں جو، مثال کے طور پر، دوسرے علاقوں کے یہود کے نہیں تھے، جیسے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دینا۔ اسی طرح تقریباً دو تہائی قرآن میں دور رسالت کے مشرکین عرب کا مفصل ذکر ہے۔ چنانچہ دور حاضر کے ابراہیمی مذاہب کے قاری، مثال کے طور پر، اس طول طویل ذکر کی افادیت سمجھنے میں شاید دقت محسوس کریں، اگر وہ اس پس منظر سے واقف نہ ہوں۔

قرآن کے طالب علموں کو اس کی صنف کے ساتھ ساتھ اس کے موضوع اور ترتیب سے بھی آگاہ ہونا چاہیے تاکہ وہ خدا کے اس آخری عہد نامے کا صحیح تعارف حاصل کر سکیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

قرآن کا موضوع

قرآن کے موضوع کو سمجھنے کے لیے کچھ پس منظر جاننا ضروری ہے۔

دنیا کی مذہبی تاریخ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: پہلا دور جو اس تاریخ کے بہت بڑے حصے پر مشتمل

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہے، اسے دور نبوت کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے نمایندے بھیجے تا کہ وہ انسان کی رہنمائی کریں۔ ان ہستیوں کو انبیا کہا جاتا ہے۔ یہ دور آدم (علیہ السلام) سے شروع ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ختم ہوا۔ دوسرے دور کی ابتدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات سے ہوئی اور اس کا اختتام قیامت پر ہو گا۔ اس دور کو دور بعد از نبوت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں خدا اپنے نمایندے نہیں بھیجتا۔

دور نبوت   دور بعد از نبوت

آدم ________ محمد ________ روز قیامت

دور نبوت کا ایک خاص پہلو ہے جو دور بعد از نبوت میں نہیں پایا جاتا۔ یہ خدا کا اپنے رسولوں کے بارے میں ایک غیر متبدل ضابطہ ہے جو اس کے انبیا سے متعلق ہے جو منصب رسالت پر فائز ہوتے ہیں۔ قرآن اس ضابطے کو 'سنۃ اللہ' سے تعبیر کرتا ہے:

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۷)

''تم سے پہلے اپنے جو رسول بھی ہم نے بھیجے ہیں، اُن کے بارے میں اِس سنت کو یاد رکھو اور ہماری اِس سنت میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

قرآن جو دور نبوت میں نازل ہوا، اس نے اس غیر متبدل ضابطے کی تفصیلات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ غیر متبدل ضابطہ کچھ نہیں، مگر ایک خدائی منصوبہ جس کا نفاذ وہ خود دنیوی آفتوں یا اپنے رسولوں[۲] کے ذریعے سے کرتا ہے۔ بنا بریں، اس ضابطہ کا کوئی تعلق شریعت سے نہیں۔ یہ جیسا کہ بیان ہوا، ایک الٰہی منصوبہ ہے۔ اس ضابطے کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے: اللہ تعالیٰ دنیوی آفات یا اپنے رسولوں کے ذریعے سے ان کے براہ راست مخاطبین کو رسول کے پیش کردہ حق[۳] کے جانتے بوجھتے انکار کی پاداش میں اسی دنیا میں سزا دیتا ہے اور اِن براہ راست مخاطبین میں سے جو حق کو اختیار کریں، دنیا ہی میں اس کی جزا دیتا ہے۔ قرآن اس دنیوی جزا و سزا کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ

''ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب

۲۔ ''رسول'' ایک خاص منصب ہے جو بعض ''انبیا'' کو خدا کی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ ''حق'' سے یہاں مراد اس بات کا ادراک و اقرار ہے کہ ہر شخص ایک دن اپنے اعمال کی بنیاد پر خدا کے آگے جواب دہ ٹھیرے گا اور ان کی بنیاد پر جزا یا سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

قُضِیَ بَیۡنَھُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَھُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ. (یونس ۱۰:۴۷)

اُن کا رسول آ جاتا ہے تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔"

اس دنیوی جزا و سزا کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے: انسان کو اس بات کی یاد دہانی کروائی جائے کہ ایک دن وہ خدا کے آگے اپنے اعمال کی بنیاد پر جواب دہ ہو گا۔ اس مسلمہ حقیقت کو وہ اکثر نظر انداز کر دیتا ہے۔ چنانچہ اسے اس دنیا ہی میں اس کا ایک حسی مشاہدہ کروا دیا جاتا ہے۔ خدا کی وہ عدالت جو تمام افراد کے لیے قیامت میں برپا ہو گی، رسولوں کے براہ راست مخاطبین کے لیے اس دنیا میں برپا کر دی جاتی ہے تاکہ وہ اخروی جزا و سزا کا عینی ثبوت بن جائے۔ دوسرے الفاظ میں اس بڑی قیامت سے پہلے بہت سی چھوٹی قیامتیں وجود میں لائی جاتی ہیں تاکہ وہ اس بڑی قیامت کو حسی طور پر مشہود کر دیں۔

اس پس منظر میں قرآن کے موضوع کو اب بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک جملے میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگذشت انذار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ انذار قرآن کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب دنیا اور آخرت میں انکار حق کے نتائج سے خبر دار کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے براہ راست مخاطبین پر ان نتائج کو اس درجہ واضح کر دیا کہ سوائے ہٹ دھرمی کے ان کے پاس انکار کی کوئی گنجایش باقی نہ رہی۔ اس موضوع کو قرآن کے مشمولات سے اس طرح مستنبط کیا جا سکتا ہے:

قرآن کے مطابق، جب کہ ایک نبی اپنی قوم کو بشارت دینے اور خبر دار کرنے کے منصب پر معمور ہوتا ہے، ایک رسول اپنی قوم کو اس درجہ میں بشارت دیتا اور خبر دار کر دیتا ہے کہ اس کے پاس سوائے ہٹ دھرمی کے انکار کرنے کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہ جاتی۔ قرآن کی اصطلاح میں اسے اتمام حجت کہا جاتا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا. (النساء ۴:۱۶۵)

"یہ رسول جو بشارت دینے والے اور خبر دار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تاکہ لوگوں کے لیے اِن رسولوں کے بعد اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش کرنے کے لیے باقی نہ رہے۔ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔"

قوم کے جانتے بوجھتے انکار کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. (البقرہ ۲:‏۸۹)

’’جب ان کے پاس وہ آیا جسے وہ پہچانتے تھے، انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ تو خدا کی لعنت ہو اِن منکرین پر۔‘‘

اتمام حجت کے بعد زمین پر خدا کی عدالت لگتی ہے۔ اہل ایمان فائز المرام ہوتے ہیں اور منکرین کو سزا دی جاتی ہے۔ اس طرح یہ دنیا اس بڑی قیامت سے پہلے ایک چھوٹی قیامت کا منظر پیش کرتی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی دعوت کے متعین مراحل ہوتے ہیں جن سے یہ گزر کر اپنے اتمام کو پہنچتی ہے۔ ان کو انذار، انذار عام، اتمام حجت اور ہجرت و براءت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہر سورہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی نہ کسی مرحلے ہی میں نازل ہوئی ہے جس کی طرف رہنمائی خود اس کے اپنے مشتملات کرتے ہیں۔

اتمام حجت کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے اہل ایمان اور منکرین متعین گروہوں کی صورت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ اس مرحلے کے بعد خدا کی طرف سے آخری فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ رسولوں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلے کے اس مرحلے میں منکرین پر عذاب کی بالعموم دو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ ان صورتوں کا تعین حالات کرتے ہیں۔ اگر رسول کے ساتھی تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں اور ان کے پاس ہجرت کی کوئی جگہ بھی میسر نہیں ہوتی جہاں وہ اپنا اقتدار قائم کر سکیں تو وہ اور اس کے ساتھی قوم سے الگ کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد رسول کی قوم کو خدائی عذاب کے ذریعے سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا. (العنکبوت ۲۹:‏۴۰)

’’سو اِن میں سے ہر ایک کو ہم نے اُس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا۔ پھر اُن میں سے کوئی تھا کہ اُس پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دی اور کوئی تھا کہ اُس کو کڑک نے آلیا اور اُن میں سے کوئی تھا کہ اُسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کوئی تھا کہ اُس کو ہم نے غرق کر دیا۔‘‘

اسی قانون کے تحت قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح، قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ قدرتی آفات سے تباہ کر دیے گئے، جب انھوں نے اپنے اپنے رسولوں کا جانتے بوجھتے انکار کیا۔ یہ بات قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے۔ بلکہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن کی ایک مختصر سورہ، سورۂ قمر ان معذّب قوموں کی تفصیل بہت موثر طریقے سے بیان کرتی ہے۔

دوسری صورت میں ایک رسول کو معتد بہ تعداد میں ساتھی میسر آ جاتے ہیں اور انھیں ہجرت کی کوئی جگہ بھی میسر آ جاتی ہے جہاں وہ اس الٰہی منصوبے کے تحت اقتدار بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں رسول اور اس کے ساتھی تلوار کے زور سے مخالفین کو زیر کر لیتے ہیں۔ وہ سزا جو سابقہ صورت میں آسمان سے نمودار ہوتی ہے، وہ اس صورت میں اہل ایمان کے ہاتھوں سے صادر ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی جاتی ہے کہ دراصل زمین و آسمان کا پروردگار یہ اقدام کرتا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ. (التوبہ ۹:۱۴)

''اُن سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اِن کو سزا دے گا اور اُنھیں ذلیل و خوار کرے گا اور تمھیں اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا۔''

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ. (الانفال ۸:۱۷)

''سو (حقیقت یہ ہے کہ اِس جنگ میں) تم نے اِن کو قتل نہیں کیا، بلکہ خدا نے انھیں قتل کیا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں یہی دوسری صورت پیدا ہوئی۔ یہ بات بھی قرآن سے معلوم ہوتی ہے کہ ان معذب قوموں کی سزا کی بھی دو نوعیتیں ہوتی ہیں: مشرک قوموں کو ان کے شرک پر جانتے بوجھتے اصرار کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ قومیں جو بنیادی طور پر توحید کی علم بردار ہوتی ہیں، انھیں زندہ رہنے کا موقع دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ رسول اور اس کے صحابہ کے زیر دست رہنا قبول کر لیں۔ مقدم الذکر انجام کی بنیاد اس قرآنی اصول پر ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتے بوجھتے شرک کو کبھی معاف نہیں کرتے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا. (النساء ۴:۴۸)

''اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ (جانتے بوجھتے کسی کو) اُس کا شریک ٹھیرایا جائے۔ اِس کے نیچے، البتہ جس کے لیے جو گناہ چاہے گا، (اپنے قانون کے مطابق) بخش دے گا، اور (اِس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو اللہ کا شریک ٹھیراتا ہے، وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔''

چنانچہ اسی اصول پر بنی اسرائیل کو بطور قوم ہلاک نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ اصلاً توحید کے علم بردار تھے۔ ان کی

سزا کی نوعیت یہ تھی کہ وہ قیامت تک حضرت مسیح کے ماننے والوں کے زیر دست رہ کر زندگی بسر کریں گے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (آل عمران ۳: ۵۵)

''اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور (تیرے) اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں گا۔''

قرآن کے اس موضوع کا ایک بہت اہم نتیجہ نکلتا ہے جس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اس کا تعلق اسی غیر متبدل ضابطہ سے ہے جو ابھی تفصیل سے زیر بحث لایا گیا ہے کہ صرف خدا ہی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ لوگوں کے جانتے بوجھتے انکار پر ان کو سزا دے۔ دور نبوت میں یہ انکار شرک، کفر اور ارتداد کے جرائم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خدا نے ان جرائم کے مرتکبین کو اپنے رسولوں یا دنیوی آفتوں کے ذریعے سے سزا دی۔ تاہم زمانہ بعد از نبوت میں کسی فرد یا ریاست کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان جرائم کی سزا دے۔ اس کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ وہ اپنے اس اختیار کو ایک مرتبہ پھر قیامت کے دن استعمال کرے گا۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھنا بہت اہم ہے کہ دور نبوت کے یہود و نصاریٰ اور دور بعد از نبوت کے یہود و نصاریٰ کے درمیان فرق کیا جائے۔ مقدم الذکر کو ان کے جانتے بوجھتے انکار پر اس دور میں سزا دی گئی، تاہم دور بعد از نبوت کے یہود و نصاریٰ کو اس نوعیت کی کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا اس سزا کا تعلق خدا کے اس غیر متبدل ضابطہ سے ہے جو صرف اور صرف دور نبوت میں نافذ العمل ہوتا ہے۔

دوسرا نتیجہ جو اس موضوع کی روشنی میں سمجھنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ چونکہ دور نبوت میں اللہ تعالیٰ کے اِس غیر متبدل ضابطہ کو روبہ عمل ہونا تھا جس کے تحت انھوں نے منکرین حق کو سزا دی، بعض وقائع قرآن (اور دیگر آسمانی صحائف) میں مذکور ہیں جو اب دور بعد از نبوت میں اس طرح رونما نہیں ہوتے، جیسے وہ دور نبوت میں ہوتے تھے۔ اس کی دو نمایاں مثالیں دی جا سکتی ہیں:

۱۔ اتمام حجت کی غرض سے پیغمبروں کے ذریعے سے نمودار ہونے والے معجزات۔

۲۔ فرشتوں کی اہل ایمان کی قابل محسوس مدد اور نصرت۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن کا اوپر بیان کردہ موضوع اور یہ دو نتائج ملحوظ رکھے جائیں تو قاری اس کتاب کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مشمولات کا گہرا ادراک پیدا کرسکتا ہے۔

قرآن کی ترتیب

کتاب کی حیثیت سے اپنی مجموعی ترتیب کے بارے میں خود قرآن نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ.(الحجر۱۵:۸۷) ''ہم نے تم کو سات مثانی، یعنی قرآن عظیم عطا کر دیا ہے۔''

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے اور اس کے ہر باب میں سورتیں اپنے مضامین کے لحاظ سے جوڑا جوڑا ہیں۔ یہ جڑواں سورتیں کسی نہ کسی پہلو سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ چنانچہ، مثال کے طور پر، بادنیٰ تامل سورۂ ضحیٰ (۹۳) اور سورۂ الم نشرح (۹۴) کے درمیان گہری مشابہت نظر آتی ہے۔ یہی معاملہ سورۂ فلق (۱۱۳) اور سورۂ ناس (۱۱۴) کا ہے جسے ہر پڑھنے والا محسوس کر سکتا ہے۔ غور و فکر سے دوسری سورتوں میں بھی یہ مشابہت کسی نہ کسی پہلو سے نظر آجاتی ہے۔ چند سورتیں منفرد بھی ہیں اور ان کا معاملہ اس عام اصول سے استثنا کا ہے، جیسے سورۂ فاتحہ جو پورے قرآن کا بھی دیباچہ ہے اور پہلے باب کا بھی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان سات ابواب کی مختصر تفصیلات یوں ہیں:

باب اول

الفاتحہ ——— المائدہ ۱-۵

مکی: ۱

مدنی: ۲-۵

باب دوم

الانعام ——— التوبہ ۶-۹

مکی: ۶-۷

مدنی: ۸-۹

باب سوم

یونس ——— النور ۱۰-۲۴

مکی: ۱۰-۲۳

مدنی: ۲۴

باب چہارم

الفرقان ـــــ الاحزاب ۲۵-۳۳

مکی: ۲۵-۳۲

مدنی: ۳۳

باب پنجم

سبا ـــــ الحجرات ۳۴-۴۹

مکی: ۳۴-۴۶

مدنی: ۴۷-۴۹

باب ششم

ق ـــــ التحریم ۵۰-۶۶

مکی: ۵۰-۵۶

مدنی: ۵۷-۶۶

باب ہفتم

الملک ـــــ الناس ۶۷-۱۱۴

مکی: ۶۷-۱۱۲

مدنی: ۱۱۳-۱۱۴

ان ابواب کے کچھ خصائص بھی ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ہر باب ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ ان ابواب میں مکی سورتوں کا مدنی سورتوں سے وہی تعلق ہوتا ہے جو کسی درخت کی جڑ کا اس کے تنے سے ہوتا ہے۔

۲۔ ہر باب میں سورتوں کی ترتیب نزولی ہوتی ہے۔

۳۔ ہر باب رسالت مآب کی سرگذشت انذار کے مراحل کسی نہ کسی پہلو سے بیان کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۴۔ ہر باب کا ایک موضوع ہوتا ہے۔ یہ اس کا محور ہوتا ہے جس کے گرد اس کی سورتیں گھومتی ہیں۔ یہ موضوعات درج ذیل ہیں:[4]

باب اول

الفاتحہ ـــــ المائدہ ۱-۵

اِس کا موضوع، یہود و نصاریٰ پر اتمام حجت، اُن کی جگہ ذریت ابراہیم ہی کی ایک دوسری شاخ، بنی اسمٰعیل میں سے امت مسلمہ کی تاسیس، اُس کا تزکیہ و تطہیر اور اُس کے ساتھ خدا کے آخری عہد و پیمان کا بیان ہے۔[5]

باب دوم

الانعام ـــــ التوبہ ۶-۹

اِس کا موضوع قریش پر اتمام حجت، مسلمانوں کا تزکیہ و تطہیر، اور قریش اور اہل کتاب، دونوں کے لیے خدا کی آخری دینونت کے ظہور کا بیان ہے۔[6]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

باب سوم

یونس ـــــ النور ۱۰-۲۴

اِس کا موضوع قریش کو انذار، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو سرزمین عرب میں غلبۂ حق کی بشارت اور اُن کا تزکیہ و تطہیر ہے، جس میں غلبۂ حق کی بشارت کا پہلو نمایاں ہے۔[7]

باب چہارم

الفرقان ـــــ الاحزاب ۲۵-۳۳

اِس کا موضوع رسالت کا اثبات، اُس کے حوالے سے قریش کو انذار و بشارت اور مسلمانوں کا تزکیہ و تطہیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا مقام و مرتبہ اُسی کے ضمن میں آپ کے ماننے والوں پر واضح کیا گیا ہے۔[8]

۴۔ ابواب کے یہ موضوعات استاذ گرامی کی کتاب ''البیان'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

۵۔ جاوید احمد غامدی، البیان ۱/ ۱۵۔

۶۔ ایضاً، ۲/ ۸۔

۷۔ ایضاً، ۲/ ۴۱۰۔

۸۔ ایضاً، ۳/ ۴۶۰۔

باب پنجم

سبا ——— الحجرات ۳۴-۴۹

اِس کا موضوع توحید کا اثبات، اُس کے حوالے سے قریش کو انذار، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کے لیے غلبۂ حق کی بشارت اور اُن کا تزکیہ و تطہیر ہے۔[9]

باب ششم

ق ——— التحریم ۵۰-۶۶

اِس کا موضوع قیامت کا اثبات، اُس کے حوالے سے قریش کو انذار و بشارت اور مسلمانوں کا تزکیہ و تطہیر ہے۔ اللہ و رسول کے لیے تسلیم و اطاعت کے تقاضے اِسی تزکیہ و تطہیر کے ذیل میں اور اُس وقت کی صورت حال کے لحاظ سے بیان ہوئے ہیں۔[10]

باب ہفتم

الملک ——— الناس ۶۷-۱۱۴

اِس کا موضوع قریش کے سرداروں کو انذار قیامت، اُن پر اتمام حجت، اِس کے نتیجے میں اُنھیں عذاب کی وعید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سر زمین عرب میں غلبۂ حق کی بشارت ہے۔[11]

۵۔ ابواب میں نظم و ترتیب کی نوعیت درج ذیل نقشہ سے سمجھی جا سکتی ہے:

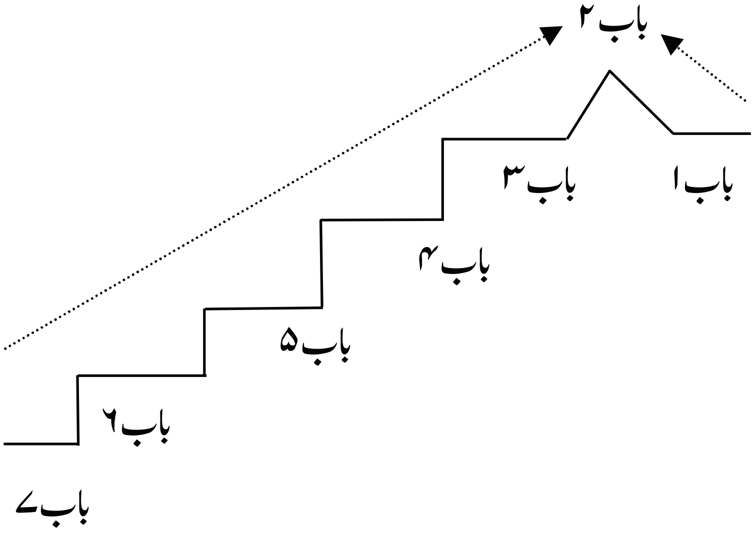

۹۔ ایضاً، ۳/ ۴۶۰۔

۱۰۔ ایضاً، ۴/ ۱۷۲۔

۱۱۔ ایضاً، ۵/ ۱۰۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اگر سابقہ صفحات میں بیان کردہ قرآن کے موضوع کا اعادہ کیا جائے تو یہ کہا گیا تھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگذشت انذار ہے جو ان کی قوم کی دنیوی جزا و سزا پر منتج ہوئی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ آپ کے انذار کے دو بنیادی مخاطبین تھے: مشرکینِ اور اہل کتاب جو اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے۔ قرآن کا دوسرا باب ان دونوں مخاطبین پر دنیوی سزا کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ تمام ابواب کا معنوی طور پر منتہا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ باب ۷ سے باب ۳ تک مخاطبین مشرکین عرب ہیں اور باب ۱ میں اہل کتاب۔ باب ۲ میں، جیسا کہ بیان کیا گیا، یہ دونوں ہی گروہ مخاطب ہیں اور ان کے انجام کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس باب کی حیثیت ذروۂ سنام کی ہے، کیونکہ اپنے مضمون کے لحاظ سے قرآن اس میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

ان تفصیلات کو اگر مد نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگذشت انذار کو اس دل نشین ترتیب سے بیان کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خاتمہ

گذشتہ صفحات میں قرآن کی صنف، موضوع اور اس کی ترتیب کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مکالمات الٰہیہ کو ایک مخصوص موضوع کے ساتھ ایک معنوی ترتیب میں بیان کرتی ہے۔ اس کے ان پہلوؤں سے واقفیت قاری کے سامنے اس کتاب کا ایسا تعارف پیش کرتی ہے کہ اسے اپنے رب کی طرف سے نازل کردہ اس شہ پارۂ ادب کا ایک منفرد تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ اس کتاب کے ذریعے سے آں سوے افلاک موجود ہستی کا کچھ ادراک کر پاتا ہے۔ اس کا دل خدا کی اس بے مثال تخلیق سے سرشار ہو جاتا ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت اُو لایزال است و قدیم!
نوع انساں را پیام آخریں
حاصل اُو رحمتہ للعلمین!!